ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

قومی کردار

قومی کردار کے متعلق بامعنی اور تعمیری بحث کرتے وقت ہمیں مندرجہ ذیل سوالوں پر غور کرنا ہوگا۔ قوم کی تعریف کیا ہے؟ کردار کے معنی کیا ہیں؟ قومی کردار کیسے تشکیل پاتا ہے؟ وہ کون سے بنیادی عوامل ہیں جو ہمیں ایک قوم بناتے ہیں؟ اور پاکستانی قوم میں اعلیٰ اور بہترین پایہ کے قومی کردار کو کیسے فروغ دیا جاسکتا ہے؟

قوم کیا ہے؟

قوم افراد کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جو ایک مشترک نظریۂ حیات پر یقین رکھتے ہوں کسی قوم کا نظریۂ حیات اس قوم کے مخصوص نفسیاتی اور تعلیمی ماحول کے مطابق مطلوبہ اوصاف یا اجزائے ترکیبی پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک قوم اس لئے قوم ہے کہ وہ قومی انداز میں سوچتی ہے اور اس کی سوچ اس لئے قومی ہوتی ہے کہ اس کے تمام افراد اس نظریہ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ قومی نصب العین یا آئیڈیل کے اجزائے ترکیبی میں نسل، زبان، رنگ ثقافت، تاریخ، عقیدہ و مسلک اور فلسفہ یا مذہب خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی آئیڈیل میں یہ تمام اجزاء شامل ہوتے ہیں اور کسی میں بعض۔

کردار کے معنے؟

کردار کو ذہن نشین کرنے سے پہلے ہمیں نظریۂ حیات کی مزید وضاحت کرنا ہوگی۔ کردار ...... سب سے پہلے فرد کی زندگی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی جبلت اور فطرت کے مطابق کسی نہ کسی نظریۂ حیات کو اپنانے پر مجبور رہے جو مندرجہ ذیل پانچ شرائط پوری کرتا ہو۔

۱۔ وہ نصب العین دوسرے تمام نظریات سے زیادہ پُرکشش اور محبت کے لائق ہو۔
۲۔ اس میں اتنی جاذبیت ہو کہ فرد کے جملہ خیالات پر چھا جائے۔ اُسے ایک مثالی آدرش بنایا جا سکے۔
۳۔ یہ آئیڈیل بلند ہو یا پست، دلکش ہو یا قابلِ نفرت، صحیح ہو یا غلط، مکمل ہو یا نامکمل، عالم گیر ہو یا علاقائی تاہم فرد کے لئے اس میں دلکشی، پسندیدگی اور سچائی کی وہ جملہ خوبیاں موجود ہوں، جو اس کی یا دوسروں کی نظر میں کچھ اہمیت رکھتی ہیں۔
۴۔ جو فرد کے لئے ایک ایسے پیمانہ، معیار اور کسوٹی کا کام دے سکے، جس پر صحیح اور غلط، اچھے اور بُرے، خوبصورت اور بدشکل کو پرکھا جا سکے۔ جو یہ بتا سکے کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کون سی کو مسترد۔ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ کون سی چیز محبت کرنے کے لائق ہے اور کون سی قابلِ نفرت۔ جو یہ بتا سکے کہ کون کون سے کام کرنے کے ہیں اور کن کن کاموں سے پرہیز بہتر ہے۔
۵۔ وہ نظریہ شخصی زندگی پر اس طرح حاوی ہو جائے کہ اس کی تمام سرگرمیاں اسی کے تابع ہو جائیں۔ عادات و خصائل، عقائد و اعمال، خیالات و جذبات، مرغوبات و میلانات، آرزو اور خواہشات غرضیکہ ہر چیز پر اس نصب العین کی گہری چھاپ ہو۔

انہی چیزوں سے شخصی کردار نشو و نما پاتا ہے۔ انسانی کردار فطرتاً ترقی پذیر ہوتا ہے۔ جوں جوں اس کے شعور و آگہی کی سطح بلند ہوتی ہے اور اپنے نظریہ کے مطابق عمل کرتا ہے، اسی حساب سے اس کا کردار ترقی کرتا ہے۔ کردار کی بنیاد چونکہ نظریے پر ہوتی ہے، اس لئے ایک شخص کا نظریۂ حیات جس قدر بلند یا پست اچھا یا بُرا، دلکش یا بھونڈا ہوگا، اسی قدر اس کا کردار بلند یا پست، اور اچھا یا بُرا ہوگا۔

قومی کردار کیسے اُبھرتا ہے؟

چونکہ ایک قوم کے تمام افراد کسی ایک مشترک نظریئے کے قائل اور پیروکار ہوتے ہیں۔ اس کی بقا اور ارتقا کے لئے جد و جہد کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے اندر مشترک عادات و خصائل، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات، امنگ و خواہشات ترقی کر کے کردار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر قوم اپنا جداگانہ کردار رکھتی ہے۔ جس کی ایک خاص نوعیت ہوتی ہے۔ جب اس نصب العین پر عملی زندگی کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے تو وہ قومی آئیڈیل بن جاتا ہے۔ اسی لئے ہر قوم کو ایک نظریاتی گروہ کہتے ہیں۔ قومیں یا نظریاتی فرقے

نفسیاتی طور پر اسی طرح ترقی کرتے ہیں جس طرح مختلف عناصر حیاتیات کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ جیسے ہر عنصر اپنا منفرد وجود اور خاص خصوصیات رکھتا ہے۔ بعینہٖ ہر قوم اپنی جداگانہ نظریاتی حیثیت یا کردار رکھتی ہے۔

وہ کون سے فطری عوامل ہیں جو ہمیں ایک قوم بناتے ہیں؟

ہم محض اس لئے ایک الگ قوم نہیں ہیں جیساکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصنوعی حالات نے ہمیں ایسا بنا دیا ہے، بلکہ اس لئے ایک قوم ہیں کہ بعض قدرتی اسباب اور فطری عوامل ہماری قومیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ مسلمان قوم کی تعمیر کرنے والے یہ عوامل (دوسری قوموں کی طرح) علاقائی زبان، نسل، رنگ، ثقافت یا تاریخ نہیں بلکہ اسلام کے اس زندہ عقیدے پر پختہ یقین ہے۔ جس کا بنیادی پتھر خدائے واحد پر ایمان لانا ہے۔

ہمارا وطن پاکستان جغرافیائی لحاظ سے کئی خطوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے ہر خطہ اپنی جداگانہ ثقافت تاریخ اور زبان رکھتا ہے۔ ایک خطہ (مشرقی پاکستان) دوسرے چار خطوں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اندریں حالات اگر ہر خطہ اپنی علاقائی زبان، تہذیب و ثقافت، تاریخ یا نسل کو اپنی توجہ کا مرکز اور قومی آئیڈیل بنا لے تو قومی کردار کی تعمیر کیسے ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر تمام خطے اسلامی نظامِ حیات کو مشترکہ آئیڈیل کے طور پر اپنا لیں تو نہ صرف علاقائی زبان، نسل، تہذیب و ثقافت اور تاریخ و تمدن کے بُت پاش پاش ہو جائیں گے بلکہ ملی شعور اور قومی کردار بھی فروغ پا سکے گا۔

پاکستانیوں میں اعلیٰ اور بلند پایہ قومی کردار کیسے فروغ پا سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب ہم "کردار کی تعریف" کے ضمن میں دے چکے ہیں۔ جیساکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قومی کردار ان عادات و خصائل، میلانات و مرغوبات، عقائد و خیالات، جذبات و محسوسات اور امنگ و خواہشات کے مجموعہ کا نام ہے، جو کسی قوم کے افراد میں مشترک طور پہ پائے جاتے ہوں اور ان کی بنیاد ایک مشترک نصب العین پر ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اگر ہم اپنے قومی کردار کی تشکیل اعلیٰ اور بلند ترین پیمانے پر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک اعلیٰ ترین مقصدِ حیات اور بلند ترین آدرش کو قومی نصب العین بنانا ہوگا۔ ہمیں ایک ایسا مثالی نظریہ اختیار کرنا ہوگا جو ہر لحاظ سے دلکش، جاذبِ نظر اور درست ہو۔ وہ نظریہ ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے

یعنی اسلام کا نظریۂ توحید۔ ہم اس سے زیادہ بلند، بہتر، مکمل، سچے اور عالمگیر نظریے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

پس اگر ایک طرف ملک کے جغرافیائی حالات کے تحت اسلامی ضابطہ حیات کو قومی آئیڈیل کے طور پر اپنانا ہماری سیاسی ضرورت ہے تو دوسری طرف اعلیٰ درجے کا قومی کردار پیدا کرنے کے لئے ہماری نفسیاتی ضرورت بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہماری فطرت کے غیر مستحکم اصول بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ بلند مرتبہ قومی کردار صرف اسی صورت میں ابھر سکتا ہے جب ہم اعلیٰ ترین اصولوں کو قومی نصب العین بنائیں اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ نصب العین صرف اسلام ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظریہ حیات کو قومی آئیڈیل بنانے کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ خُدا پر ہمارا غیر متزلزل اور مستحکم یقین ہو۔ یہ اس یقین محکم ہی کا کرشمہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے سے کہیں طاقتور اور با اثر انگریز اور ہندو قوم سے ٹکر لی اور اپنی جدوجہد میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کر کے پاکستان بنا لیا۔ اس کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے نظریہ سے جنوں کی حد تک پیار کریں۔ ہماری زندگی کے سیاسی، اخلاقی، عسکری، قانونی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی غرضیکہ تمام شعبوں میں اسے فیصلہ کن طاقت کا مقام حاصل ہو۔ ہم جس قدر جلد یہ قدم اٹھا سکیں ہمارے حق میں اُسی قدر بہتر ہے۔

جب ایک آدرش یا آئیڈیل کے ساتھ کسی فرد یا قوم میں سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے تمام عقائد و نظریات، خیالات و محسوسات، میلانات و مرغوبات، عادات و اطوار، علم و عرفان، ارادے اور طریقِ کار، امنگ اور خواہشات پر اس آئیڈیل کی گہری چھاپ لگ جاتی ہے۔ گویا ایک نصب العین شخصی یا قومی کردار کی اسی طرح تعمیر کرتا ہے، جس طرح مناسب کاشت اور آبپاشی سے ایک بیج کا دانہ تناور درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مناسب تعلیم و تربیت سے ہم قومی آئیڈیل کو قومی کردار میں ڈھال سکتے ہیں۔ ایک بیج سے وہی پودا اگتا ہے جس کی قوت نمو اس بیج میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم ایک قومی نصب العین منتخب کر کے اسی نوعیت کا قومی کردار پیدا کر سکتے ہیں، جس کی صلاحیت اس نصب العین میں ہوگی۔ خدا کا تصور اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ واحد نظریۂ حیات ہے، جس سے بہترین اور اعلےٰ پایہ کا قومی کردار فروغ پا سکتا ہے۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہمیں اسلام کے محض مسلّمہ اخلاقی اصولوں مثلاً مساوات انسانی، آزادی انصاف، صداقت، اخوت، جرأت، بردباری اور دیانتداری وغیرہ کو اپنا لینا چاہیئے اور نظریۂ توحید پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اس سے قومی کردار کی تشکیل میں بڑی آسانی ہو جائے گی۔ لیکن ایسا کرنا ہمارے لئے

عملاً ناممکن ہے کیونکہ مسلمہ عالمگیر اخلاقی اصول نظریۂ توحید کی اسی طرح وکالت کرتے ہیں جس طرح کسی درخت کا بیج خاص قسم کے پتوں اور پھولوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص تازہ اور مہکتے ہوئے پھولوں کا شوقین ہے تو اسے خود اپنے باغ میں ان پھولوں کا پودا لگانا اور اس کی نگہداشت کرنی ہوگی ورنہ اسے باسی، پژمردہ اور کاغذی پھولوں پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ جس طرح پھول درخت سے ٹوٹنے کے بعد مرجھا جاتے ہیں، اسی طرح سچے اور عالمگیر اخلاقی اصول اپنے اصل سرچشمہ توحید سے کٹنے کے بعد مردہ اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کسی شخص سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ان اخلاقی اصولوں کی پیروی کرے تو پہلے ہمیں یہ تسلی کرنی ہوگی کہ وہ خدا کو آئیڈیل بنائے اور اس آئیڈیل سے سچا اور بھرپور پیار کرے۔ چونکہ سچے اور عالمگیر اخلاقی ضابطوں کا منبع و سرچشمہ نظریۂ توحید ہے اس لئے ان پر وہی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے جو اس نظریئے کا قائل اور چاہنے والا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق کسی نہ کسی نظریئے سے محبت کرتا ہے۔ اگر اسے نظریۂ توحید پسند نہیں تو لازماً اس سے فروتر کسی دوسرے نظریے کو اعمال کا مرکز بنائے گا اور اسی کو ایسا معیار مان لے گا جس پر برے اور بھلے، سچے اور جھوٹ، دلکش اور بدنما کو پرکھا جا سکے۔ اسی نظریے کی روشنی میں وہ یہ طے کریگا کہ کس چیز کو قبول کیا جائے اور کس کو مسترد، کس سے محبت کی جائے اور کس سے نفرت، کونسا کام کیا جائے اور کونسا نہیں۔ اگر ایسا شخص زبان سے اخلاقی اصولوں کی پیروی کا دم بھرتا ہے تو سمجھو یا تو وہ دانستہ اپنے باطل نظریات کو چھپا رہا ہے یا اُن کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے۔ یعنی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ جس طرح ہم ببول کے درخت سے آم حاصل نہیں کر سکتے، بالکل اسی طرح غلط نظریۂ حیات کو اپنا کر اچھے قومی کردار کی توقع نہیں کر سکتے۔

بظاہر برطانیہ، فرانس، اٹلی، امریکہ اور دنیا کے دوسرے غیر کمیونسٹ ممالک میں خدا پر ایمان ایک مسلّمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم وہاں خدا کو آئیڈیل کا درجہ حاصل نہیں، ان کا آئیڈیل سیکولر نیشنلزم ہے۔ اُن کے نزدیک سیکولر نیشنلزم آئیڈیل کی ان پانچوں شرطوں پر پورا اترتا ہے جو ہم ابتدا میں بیان کر آئے ہیں۔ نظریۂ توحید اُن کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انگریز قوم کی اکثریت اگرچہ خدا کو مانتی ہے لیکن عملاً نیشنلزم اُن کے نزدیک تمام نظریات سے بالاتر اور پسندیدہ ہے اور نظریۂ توحید کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ان کے تمام اعمال و افعال، عقائد و نظریات، اقدار و روایات اور جذبات و میلانات کا معیار نیشنلزم (جذبۂ قومیت) ہے نہ کہ خدا کا تصور۔ اگر کسی معاملے میں دینی تقاضے قومی تقاضوں سے متصادم ہوں تو انگریز قوم بے دھڑک دینی تقاضوں

پر قومی تقاضوں کو ترجیح دیتی ہے۔ ایک لادین اور نیشنلزم کی پجاری قوم سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

پاکستان میں متعدد مذاہب کے پیرو موجود ہیں مثلاً مسلمان، عیسائی، ہندو اور پارسی۔ اس لئے ہمیں ریاست کے سرکاری فلسفہ میں توحید اور اس سے وضع کئے گئے ان معروف و مسلّمہ اخلاقی اصولوں کو شامل کرنا چاہیئے۔ جن کے بارے میں مختلف مذہبوں کے درمیان کوئی اختلاف رائے نہیں۔ ایسا کرنا نہ صرف ملکی حالات کا تقاضا ہے بلکہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق۔

چنانچہ اس سلسلے میں قرآن پاک کہتا ہے۔

"اے اہلِ کتاب! اُس اصول کی طرف لوٹ آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان قدرِ مشترک ہے۔ یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور اپنے ہم جنسوں کو اپنا آقا و مالک نہیں مانتے۔"

اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہم سرکاری طور پر ایک ایسے بنیادی اور مشترک اصول کو اپنے نظریۂ حیات کی اساس بنا لیں گے جو پاکستان کے تمام مذہبی فرقوں کے فلسفۂ حیات کا سنگ بنیاد ہے۔ اس طرح تمام مذہبی فرقوں کے اہم ترین جذبات — مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر سارے فرقوں کو ایک متجانس (HOMO — GENOUS) قوم میں ڈھال سکیں گے۔ پوری قوم کا ایک مشترک آئیڈیل ہوگا، جسے اپنانے میں ہم مسرت اور فخر محسوس کریں گے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی اختلافات پر اس حد تک قابو پا لیا جائے گا کہ ہر فرقہ اپنی حد تک انہیں عزیز رکھے۔ اس طرح فرقہ وارانہ کشیدگی اور تلخی ختم ہو جائے گی۔ اس مشترک فلسفۂ حیات کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرے فرقوں کو ان کے مذہب کے مطابق عقیدہ اور عمل کی مکمل آزادی دی جا سکے گی۔ اس سے ایک طرف ہم غیر مسلم اقلیتوں کے عقائد و عبادات میں مداخلت سے باز رہ سکیں گے، دوسری طرف اس فلسفۂ حیات سے انہیں اضافی مدد مہیا کر سکیں گے۔ اس سے ملک کے تمام فرقوں (مسلمان، عیسائی، ہندو، پارسی) کے درمیان یگانگت اور ہم آہنگی بڑھے گی۔ تمام فرقے خدا کے ایک کنبے کی مانند رہ سکیں گے۔ جس میں مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف نفرت یا بدخواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ سب فرقے ایک مشترک قومی احساس کے تحت اتحاد اور تعاون کی فضا میں کام کر سکیں گے۔

سچے محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ہمیں اس بات پر خاص توجہ دینی ہوگی کہ یہاں کا ہر شہری خدا تعالیٰ

پر ایمان کو ایک ایسی زندہ اور فعال قوت بنا لے جو اس کی سرکاری و غیر سرکاری سرگرمیوں پر غالب ہو۔ اس کے لئے ہمیں ایک مخصوص نظام اختیار کرنا ہو گا، جو ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

کسی قوم کے اتحاد، سالمیت اور کارکردگی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی واضح مقصد اور نظریۂ حیات ہے یا نہیں؟ اگر کوئی نظریہ ہے تو قوم میں اس کے لئے کتنی تڑپ اور لگن موجود ہے؟ یہ نظریہ ان کے قومی مزاج اور روایات کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اس آئیڈیل میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جو خود بخود لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں۔ اگر اُس میں ایسی خوبیاں موجود نہیں تو بڑے سے بڑا معلم بھی اپنے تعلیمی منصوبوں اور انتظامات کے باوجود لوگوں کے جذبات کو اس حد تک بیدار نہیں کر سکتا کہ لوگ اس نظریے پر فریفتہ ہو جائیں۔ اگر کسی نظریئے میں داخلی اور باطنی خامیاں موجود ہیں تو اس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہم پاکستانی اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس ایسا نصب العین موجود ہے جو تمام شرطیں پوری کرتا اور اپنے اندر جملہ خوبیاں رکھتا ہے۔

جو نظریات مصنوعی اور نمائشی طور پر کسی قوم کو عزیز ہوں، انہیں خود ہی قوم چیلنج کر دیتی ہے مثلاً بھارت میں وہاں کی اقلیتوں نے انڈین نیشنلزم کے نظریہ کو چیلنج کر دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا نصب العین ایک حقیقی اور قابلِ عمل ہے۔ وہ ہمارے مزاج، روایات اور نفسیات سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اسے دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں۔ کیمونسٹوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں انسان کی تمام تر ترقی کے باوجود خُدا کا تصوّر آج بھی اتنا ہی ہر دلعزیز، نیا، تازہ اور جبلتِ انسانی کے قریب ہے، جتنا پہلے کبھی تھا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ بنی نوعِ انسان کو اس نظریے کی آج جتنی ضرورت ہے شاید ماضی میں کبھی نہ تھی۔

موجودہ دور میں انسانی حالات کا جو مفکرانہ مطالعہ کیا گیا ہے اس کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قومی نصب العین کے طور پر سیکولر نیشنلزم کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں اور اس کی جگہ انسان اور کائنات کے مختلف نظریات لے رہے ہیں۔ دنیا کی جدید ترین ترقی یافتہ ریاستیں بھی دراصل نظریاتی ریاستیں ہیں۔ جنہوں نے فرد کی راہنمائی کے لئے بزعمِ خویش صحیح یا غلط چند اصول بنا لئے ہیں۔ ان میں روس اور چین ہی نہیں امریکہ بھی شامل ہے۔ کیونکہ امریکی قوم کے نزدیک جمہوریت نہ صرف ایک بہترین نظامِ حکومت ہے بلکہ ایک نظامِ حیات بھی۔ چنانچہ انہوں نے جمہوریت کو قومی آئیڈیل بنا لیا ہے۔ بہت سی قومی ریاستیں جو کسی زمانے میں آسمانِ سیاست

پر درخشندہ ستاروں کی طرح چمکتی تھیں، آج روبہ زوال ہیں۔ بعض نئی قومی ریاستیں بھی جوان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں، اسی صورت حال سے دوچار ہیں اور تیزی سے کمیونزم کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ آج نیشنلزم کی مٹی اس طرح پلید ہو رہی ہے جیسے ماضی میں قبائلی نظام کی ہوئی تھی۔

ارتقا کی تند و تیز لہریں نسلِ انسانی کو ایک ایسی عالمی ریاست کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی ہیں جس کی اساس انسان اور کائنات کے فلسفہ پر ہوگی۔ ظاہر ہے یہ فلسفہ کمیونزم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس بات کو درست تسلیم کر لیں کہ ارتقائی عمل تیزی سے اس نقطۂ عروج تک پہنچنا چاہتا ہے، جہاں پوری دنیا ایک مکمل معاشرے کی شکل اختیار کرے گی، تو ہمیں یہ بات بھی لازماً ماننا پڑے گی کہ اس معاشرے کی بنیاد ایک مکمل اور جامع نظریے خدا کے تصور پر ہوگی۔ انسانی ارتقا جو دراصل نظریاتی ارتقا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر اہلِ پاکستان خدا کے تصور کو اپنا قومی آئیڈیل بنالیں تو پاکستان آئندہ وجود میں آنے والی عالمگیر ریاست کا نقطۂ اجتماع اور مستقبل کے مکمل ترین معاشرے کا مرکز ہوگا۔ اس کے علاوہ اپنے قومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان دوسری اقوام کے ساتھ خیر سگالی اور دوستی کے رشتے بھی قائم کر سکے گا۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ ایسے دوستانہ تعلقات اسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں جب عالمگیر ریاست کے شہریوں کو پاکستان پر اعتماد ہو۔ دوسری اقوام کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ اور دیانتدارانہ ہو اور عالمی اتحاد قائم کرنے کے لئے خود پاکستان دوسروں کے ساتھ تعاون کرے۔ اگر خدا ترس اور خدا سے محبت کرنے والی قومیں بھی اپنے معاملات میں انصاف پسند، دیانتدار، پُرامن اور قابلِ اعتماد ثابت نہ ہوں، تو دوسری قوموں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

میں اس مقالے کو علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے ارشادات سے دو اقتباسات پر ختم کرتا ہوں جنوری ۱۹۳۸ء میں "سالِ نو کے پیغام" میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

"دنیا بھر کے مفکر" اور دانشور حیران و پریشان ہیں۔ کیا جدید تہذیب اور ارتقا کا انجام یہی ہوگا کہ انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جائیں اور روئے زمین پر حیاتِ انسانی کا وجود ناممکن ہو جائے۔ یاد رکھو! انسان دنیا میں فقط اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے اور ترقی پا سکتا ہے جب وہ انسانیت کا احترام کرنا سیکھ لے۔ جب تک انسان، انسانیت کا احترام کرنا نہیں سیکھتا، یہ دُنیا خونخوار درندوں کی شکار گاہ بنی رہے گی۔ قوموں کے درمیان صرف وہی اتحاد پائدار اور قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے جس کی بنیاد برابری پر ہو۔ جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان کے امتیازات سے پاک

اور بالاتر ہو۔ جب تک یہ نام نہاد جمہوریت، یہ منحوس نیشنلزم اور یہ ذلیل ملوکیت فنا نہیں ہو جاتی اور لوگ اپنے اعمال سے اس یقین کا اظہار نہیں کرتے کہ پوری دنیا خدا کا کنبہ ہے۔ جب تک دنیا میں نسل، رنگ اور جغرافیائی قومیتوں کے بت موجود ہیں، انسان ایک خوشحال اور سکون بخش زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اخوت، مساوات اور آزادی کے دلکش نعرے محض ایک ڈھونگ ہیں"۔

اسی طرح جون ۱۹۴۵ء میں ایک تقریر کے دوران قائد اعظم نے فرمایا۔

"حصولِ پاکستان سے ہمارا مقصد محض آزادی حاصل کرنا نہیں بلکہ اس اسلامی نظریۂ حیات کو فروغ دینا ہے جو قدرت کی طرف سے ہمیں قیمتی عطیے اور بیش بہا خزانے کی شکل میں ملا ہے۔ اُمید ہے کہ دوسری قومیں بھی اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گی"۔

اسلامی نظریۂ حیات کے فروغ میں دوسری قومیں اس طرح تعاون کر سکتی ہیں کہ وہ بھی اس نظریے کے اہم ترین جز (یعنی خدا کے تصور اور اس سے ماخوذ عالمگیر اخلاقی اصولوں کو اپنا لیں۔ اس لئے صرف یہی نظریہ ہمارے اعلیٰ اور بلند پایہ قومی کردار کی بنیاد بن سکتا ہے۔

(جان ڈیوی کا فلسفہ بقیہ ص ۶۲)

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اقبال کے یہاں تعلیم کا نصب العین خودی ہے، جس کا وجود وجودِ حق کے باعث قائم ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں ؎

خودی کا سرِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ   خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اقبال کے نزدیک جب تک عرفانِ خودی حاصل نہ ہو خدا کا عرفان محال ہے (مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ) خودی کی بقا کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ وہ ذاتِ حق کو اپنے اندر سمو لے۔ واضح ہو کہ ذاتِ حق کو اپنے اندر سمو لینا یا خود اس کی ذات میں مدغم ہو جانے کا منطقی نتیجہ ایک ہی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین چونکہ حق کی ماورائیت کے قائل ہیں اس لئے ان کے نظامِ فکر میں طالب کا مطلوب میں یا مطلوب کا طالب میں مدغم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا تعلیمی نصب العین ذاتِ باری تعالےٰ ہے۔ جو بحالتِ تنزیہہ قائم و دائم ہے۔ اس کے برعکس اقبال کے نزدیک حق تعالیٰ کبھی بحالتِ تنزیہہ ہے اور کبھی بحالتِ تشبیہہ۔